

ماں نایب ہے جو ماہرے سرے میں ماں، برے ماں۔ میان سرہا میں ماں نایب کے سرے۔ ریے ماں ریے
مصنف کی کتاب نایب ہو گئی۔ اس کے بعد پھر کتاب کے یکے بعد دیگرے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ اگلی سطور میں ہم اس
کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمے کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

مستشرقین کے طریقے پر ہمارے ہاں سیرت نویسی کا جو ڈھیر لگا ہے بیشتر مفکرین کا یہی خیال ہے کہ مغرب میں جو ہوشربا
ترقی ہوئی ہے اُس نے ہمارے ہاں بہت ساروں کی عقل مبہوت کر دی ہے۔ اس سکول آف تھٹا کی سرکردہ شخصیات ہمیں
یقین دلاتی رہی ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ جس طرح مغرب نے عیسائیت کو سمجھا ہے اسی منہج کو
اپنا کر یہاں اسلام کو سمجھا جائے۔ ضروری ہے کہ علم غیبیات کے لیے وہی سائنسی کسوٹی استعمال کی جائے جسے برت کر مادی
ترقی ہوئی ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ جو معجزہ سائنس کے جدید پیمانے پر پورا نہ اُتر سکے وہ قبولیت کے لائق نہیں اور اگر ہم
ایسی جرات کر لیں تو ترقی یافتہ ہو جائیں گے!

ان حضرات نے اپنی فکری اہمیت کے لیے نام رکھا 'الاصلاح الدینی'۔ کوئی پوچھے کہ دین محمد کب ایسا محتاج ہوا ہے کہ اس کی
اصلاح کی جائے۔ اس مدرسے کی طرف سے پہلی کوشش سیرت نگاری کی صورت میں سامنے آئی۔

جدید علمیات کی کسوٹی سے گزار کر جو تالیف سامنے آئی وہ تھی حسین ہیکل کی 'حیات محمد'۔ اس کتاب کے مطالعے سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقائع کا تجزیہ کرتے ہوئے تجزیہ نگار کس قدر انکساری، بزدلی اور مغرب سے مرعوبیت کا شکار رہا
ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کو ضروری ہے کہ اُس طرح
سمجھا جائے جس طرح جدید علمیات کا تقاضا ہے۔ وہ امور جو جدید علمیات کے لیے قابل قبول نہیں ہیں از قسم معجزات اور
خواقِ عادات وہ ہماری اس کتاب کا موضوع نہیں رہیں گے! اسلام میں جب سب سے بڑا معجزہ خود قرآن کی شکل میں موجود
ہے تو پھر ہمیں ایسی دُور کی کوڑی لانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

شیخ الازہر مصطفیٰ مراغی نے حیاتِ محمد کی 'تقریظ' پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ ایک نئی طرزِ نگارش کی طرف سے پہلا قدم
ہے۔

اسی مدرسے سے تعلق رکھنے والے محمد فرید وجدی نے تو جدید طرزِ فکر کے مطابق فہم حاصل کرنے کے منہج کو اپناتے ہوئے
نگارشات کی لائن لگا دی تھی جس میں بنیادی طور پر فہم سیرت سب سے اہم موضوع تھا۔ ان نگارشات میں جدید علمیات کو
مسلمات کی طرح پیش کیا گیا۔ مصنف کے نزدیک وہ واقعہ رُو پزیر ہی نہیں ہو سکتا جو موصوف کی عقل و دانش اور سائنسی
پیمانوں کی کڑی آزمائش پر پورا ہو کر نہیں دکھاتا خواہ وہ خبر متواتر ہی کیوں نہ ہو اور خواہ مصنف کے الفاظ میں اس کی
سائنسی توجیہ کرنے میں تکلف سے بھی کام لینا پڑے۔

جس زمانے میں مدرسہ 'اصلاح دینی' اپنی نگارشات سامنے لا رہا تھا یہ مصر پر برطانوی قبضے کا زمانہ تھا۔ ظاہر ہے استعمار کے لیے ایسا اسکول آف تھاٹ ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ اس سے استعمار نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اسلامی عقائد کے مسلمات کی چولیس ہلا دی جائیں۔ اس وقت عالم اسلام میں کوئی بڑی مزاحمت نہیں پائی جا رہی تھی۔ استعمار نے اور بھی ایسے رویے پروان دیے جو مسلمانوں اور ان کے ٹھیٹھ مناہج میں دُوری پیدا کرتے چلے گئے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ان کے پاس جو چیز تھی وہ تھی مغرب کی جدید علمیاتی منہاج!

جدید مدرسہ کی فکر کی تنگ دامانی کا جلد ہی پول کھل گیا، جس تقلید سے وہ نکلنے کا دعویٰ کرتے تھے اور ذہنی آزادی کو اصل معیار ٹھہراتے تھے تو معلوم ہوا کہ وہ تو خود مغرب کے منہاج کے غلام ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس مدرسہ کے روبہ عمل ہونے کے باوجود وہ اس بات میں ناکام رہے کہ ایسی شخصیات کو سامنے لا سکیں جو سائنسی ترقی کو عروج پر پہنچا سکیں۔ اس کے برعکس ہوا یہ کہ ان کے ہاتھ سے اسلامی منہاج بھی جاتا رہا اور مغربی ترقی بھی نصیب نہ ہوئی۔

قارئین کرام کسی مسلمان کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ محمد ﷺ کو محض ایک کامیاب ریفارمر کے دیکھے جس میں بلا کی صلاحیتیں تھیں۔ آپ نے ایسی تالیفات ضرور دیکھی ہوں گی جس میں آپ کو ایک بلند پایہ شخصیت اور کامیاب رہنما کے پیش کیا گیا ہو گا خواہ مغربی قلم کار ہوں یا بدیسی۔ ہاں آپ میں تمام ہی کمالات مجتمع ہو گئے تھے مگر آپ کی شخصیت کے یہ تمام سوتے ایک ہی صاف شفاف چشمے سے پھوٹے تھے۔ وہ یہ حقیقت کہ آپ رسول ہوئے۔ خدا کی وحی اس کا منبع اور مصدر تھی۔

جدید تالیفات کی قدر ناشناسی میں ہم اس لیے حق بجانب ہیں کہ اس منہاج میں اصل حقیقت کو چھوڑ کر اس کے مظاہر کی ستائش پر ہی گل پاشی کی جاتی ہے۔ کیا یہ حق لگی بات ہے کہ آپ کی اصل حیثیت بطورِ رسول تو زیر بحث نہ لائی جائے اور آپ کے کارہائے نمایاں ہی سیرت کا موضوع رہ جائیں۔ دنیا میں دوسرے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے پھر آپ اور دوسروں میں فارق کون سی چیز ہے!

کسی مسلمان کے لیے کبھی روا نہیں کہ وہ محمد ﷺ کے معجزات میں سے صرف قرآن کے معجزے پر ہی اکتفا کرے۔ اگر قرآن آپ کا معجزہ ہے تو آپ کے اور بھی معجزات ہیں۔ جس طرح ہمیں قرآن پہنچا ہے اسی تو اتر سے آپ کے دیگر معجزات بھی پہنچے ہیں پھر ایک کو تسلیم کرنا اور دوسرے سے صرف نظر کرنا علمی دیانت یا علمی خیانت!

میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں میں اسلامی شعور بڑی تیزی سے پیدا ہو رہا ہے۔ میری کتاب کی پہلی اشاعت سے اس کی ساتویں اشاعت تک معاملہ کافی حد تک جدید مدرسہ فکر کے بانیوں سے نکل چکا ہے۔ مستقبل میں اسلامی بیداری بڑھے گی

اور جلد ہی وہ دن آنے والا ہے جب مسلمان دوبارہ سے اپنے مسلمات پر شعوری ایمان لاتے ہوئے نو وارد افکار کے خلاف شدید مزاحمت پیش کریں گے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اب جبکہ امت پر مشکلات آئی ہیں یہ حضرات سیرت کی نئی توجیہات میں اپنا سر کھپانے کی بجائے امت کو مشکلات سے نکالنے میں مدد دیتے۔ الٹا میں دیکھتا ہوں کہ وہ شکوک و شبہات کو پیدا کرنے میں بلا کی قدرت رکھتے ہیں۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ آپ سیرت نویسی میں کسی نئی 'علمی اپروچ' کے قائل ہو گئے ہیں لیکن یہ کیا ہوا کہ آپ دوسروں کو بھی اس کا پابند کریں۔ اگر وہ آپ کے دیے ہوئے منہاج کو تسلیم نہ کریں تو انہیں احمق، علم دشمن اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھیں۔ ہماری قدیم روایت رہی ہے کہ فقہاء اسلام اصولی مباحث میں متفق ہونے کے بعد فروعات میں مختلف الآراء رہے ہیں۔ اپنی رائے کے درست ہونے پر وہ اصرار بھی کرتے ہیں لیکن دوسرے کو رائے اختیار کرنے اور اس کو منوانے کا بھی پورا اختیار دیتے ہیں۔ کوئی فقہی دوسرے فقہی پر فوج داری نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے سب سے زیادہ تنگ نظر روشن خیال لوگوں کو پایا ہے اور سب سے زیادہ وسعت مجھے اسلامی ٹھیٹھ منہاج میں نظر آئی ہے۔

ہمارے ناقدین اگر فقہاء کے منہاج کی پیروی کرتے تو امت آج متحد ہو کر بیرونی دشمن کا مقابلہ کر رہی ہوتی۔

میں اپنے قاری کو اس بات کی پوری اجازت دیتا ہوں کہ جمہور علماء کے منہاج کی بغیر تعصب کے پھر سے پڑتال کر لے۔ ان کی دلیل کی قوت کو سمجھنے کی پوری کوشش کرے اگر اُس کے بعد بھی وہ یہی سمجھے کہ سیرت نگاری میں جدید طریقہ تالیف ہی موثر ہے تو وہ اسے اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ اصل خرابی یہ نہیں کہ آپ دیانت داری اور سلامتی عقل کے ساتھ کس نتیجے پر پہنچتے ہیں، اصل خرابی یہ ہے کہ آپ تعصب کا شکار ہو جائیں اور دوسروں کو احمق قرار دیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو اپنے لیے خالص کر لے اور ہمیں ہدایت کے راستے پر قائم رکھے۔ آمین

محمد سعید رمضان

دمشق 1968ء